ہوتی ہے ۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان ہے قرآن حکیم کے بارے میں کہ "لا تنقضی عجائبہٗ" ۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے ۔ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں اور بھی بہت سے ایسے نکات سامنے آئیں کہ جن کی طرف ماضی میں اہل علم کی نگاہ نہ گئی ہو ۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللّٰہَ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ۔

OOOOOO

بقیہ: 'دورِ حاضر میں مذہبی واردات کا مسئلہ'

لئے ضروری ہے کہ ہم لوگوں میں محبت کا داعیہ بیدار کریں ۔ خدا کا خوف خدا کی محبت ہی کا ایک تقاضا ہے ۔ لہٰذا اصلاح معاشرہ کا دیرپا اور مؤثر ترین ذریعہ وہی ہوگا جس میں نظام تعلیم کی اصلاح ان خطوط پر کی جائے گی جن کا ذکر علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کے حوالے سے یہاں کیا گیا ۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔

□□□□□□

بقیہ: 'مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام'

بلکہ دونوں کے اچھے پہلو اپنے اندر رکھتا ہے اور برے پہلوؤں سے پاک صاف ہے ۔ گویا اسلام کے معاشی نظام کا ایک پہلو نظام سرمایہ داری میں اور ایک پہلو نظام اشتراکیت اور سوشلزم میں ہے ۔ بہرحال جہاں تک جزوی مشابہت کا تعلق ہے وہ بعض پہلوؤں میں نظام سرمایہ داری اور نظام اشتراکیت کے مابین بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً دونوں لیبر یعنی محنت کو عامل پیداوار مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دونوں الگ الگ اور مستقل نظام ہیں ۔ اسی طرح اسلامی معاشی نظام بھی دوسرے نظاموں سے بعض جزوی مشابہتوں کے باوجود ایک جدا اور مستقل معاشی نظام ہے

(جاری ہے)

علامہ اقبال اور کتابِ زندہ

از قلم: پروفیسر مرزا محمد منوّر

آئینۂ قرآن کے حوالے سے اگر آدم خود بیں یعنی خود شناس ہو اور اپنی ذات سے آگاہی رکھتا ہو تو اسے بیقین میسّر آجاتا ہے کہ اس کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ اس باب میں علامہ اقبال نے اپنی تائید گوئٹے سے بھی کرائی ہے۔ علامہ لکھتے ہیں :۔

"قرآنِ مجید کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان گوناگوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان ہیں۔ قرآنی تعلیم کا یہی وہ بنیادی پہلو ہے جس کے پیشِ نظر گوئٹے نے باعتبار ایک تعلیمی قوت اسلام پر من حیث الکل تبصرہ کرتے ہوئے ایکرمن (ECKERMAN) سے کہا تھا "تم نے دیکھا اس تعلیم میں کوئی خامی نہیں، ہمارا کوئی نظام اور ہمیں پر کیا موقوف کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا"۔[1]

گمان یہی ہے کہ گوئٹے نے خود قرآن نہیں بلکہ اس کا ترجمہ پڑھا۔ اور اس کے باوجود اتنا متاثر ہوا۔ وہ اگر عربی قرآن یعنی فی الواقع قرآن پڑھنے اور اس کے مفاہیم کو براہِ راست سمجھنے پر قادر ہوتا تو اس کا دلِ زندہ نہ جانے اسے کیا سرشاری عطا کرتا، اس لیے کہ ترجمۂ قرآن خواہ کتنا ہی معیاری کیوں نہ ہو اصل "عربی مبین" کے بھرپور معانی کو اور پھر اس کے تناسبات اور آہنگ کے اثر کو قطعاً منتقل نہیں کرتا۔ اس ضمن میں پروفیسر فلپ حتّی لکھتے ہیں :

"اسلوب قرآن اسلوبِ الٰہی ہے۔ بے نظیر، ناقابلِ تقلید، یہی اس کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اس کی تجوید میں بڑی تاثیر ہے،

---

[1] تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، لاہور (بزمِ اقبال ۱۹۵۸ء) ص ۱۳

اس کا فنی جوہر اور جذبات کے تاروں کو ٹٹولنے والا پیغام ترجمے
کی صورت میں اپنا کمال کھو بیٹھتا ہے۔"[1]

ترجمہ بہر حال ترجمہ ہے، وہ قرآن نہیں، قرآن تو وہی ہے جو عربی زبان میں اُترا، —— یہ قرآن ہی ہے جو آدم کو جرأت آموز اور زندگی بخش پیغام سُناتا ہے کہ وہ نائب خدا ہے لہٰذا خدا کے بعد جملہ عناصر پر فرمانروائی اسی کی ہوگی، اسے بلندیوں، پستیوں، ہواؤں، بجلیوں، شعلوں، برفوں، طغیانیوں، جنّوں، عفریتوں، وحشی حیوانوں، اور درندوں نیز موسموں کے گوناگوں انقلابوں سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیئے، اس لیے کہ گو اس کا وجود بظاہر بڑا عاجز ہے مگر اس کے اندر رُوح خداوندی کا جو ذرّۂ نُور ہے وہ مفتوح و مغلوب ہونے کے لیے نہیں آیا لہٰذا آدم کو اپنے اندر تغیّر اور انقلاب پیدا کرنا ہوگا، ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کی خاطر اللہ کی ودیعت کردہ صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا —— جی چاہتا ہے کہ "بالِ جبریل" کی نظم "رُوح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" ساری نقل کردی جائے۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سُورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چُھپا دیکھ
ایامِ جُدائی کے سِتم دیکھ، جفا دیکھ!
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ!
ہیں تیرے تصرّف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں!
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں!!!
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیّل کے کنارے!

---

[1] ISLAM — A WAY OF LIFE ص ۲۷ ، ۲۸ -

پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ!
خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اِک تازہ جہاں تیرے ہُنر میں
جچتے نہیں بخشے ہُوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ!
نالندہ ترے عُود کا ہر تار ازل سے
تُو جنسِ محبّت کا خریدار ازل سے
تُو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے!
محنت کش، خوں ریز وکم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ

پہلے دو بندوں میں کائنات کے مختلف مناظر و مظاہر دکھائے گئے ہیں تاکہ آدم فطرت کے کاروبار کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔ نیز آدم کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تم ان عناصر پر قابض ہو جاؤ گے اور اس لیے قابض ہو جاؤ گے کہ اللہ نے تمہارے وجود میں وہ تمام جوہر ودیعت کر دیئے ہیں جو تمہیں حاکمیت کے قابل بناتے ہیں۔ طبعی موانع انسان کے عزم و ارادہ کی راہ نہیں روک سکتے، جان ڈیوی لکھتے ہیں :-

"Knowledge is power and knowledge is achieved by sending the mind to school of Nature to learn her process of change."[1]

(علم قوت ہے اور یہ قوت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ذہن کو مدرسۂ فطرت میں تربیت پانے کے لیے بھیج دیا جائے تاکہ اسے عملِ تغیّر کا درس میسّر آ جائے۔)

انسان کی بے پناہ صلاحیتوں کے اس مفہوم کو بالِ جبریل کی اشاعت سے قبل حضرت

---

۱ "Reconstruction in Philosophy" ص: ۴۹ (2nd Edition ۱۹۵۹)

اس کا فنی جوہر اور جذبات کے تاروں کو ٹٹولنے والا پیغام ترجمے کی صورت میں اپنا کمال کھو بیٹھتا ہے۔" [1]

ترجمہ بہرحال ترجمہ ہے، وہ قرآن نہیں، قرآن تو وہی ہے جو عربی زبان میں اُترا، — یہ قرآن ہی ہے جو آدم کو جرأت آموز اور زندگی بخش پیغام سناتا ہے کہ وہ نائب خدا ہے لہٰذا خدا کے بعد جملہ عناصر پر فرمانروائی اسی کی ہوگی، اسے بلندیوں، پستیوں، ہواؤں، بجلیوں، شعلوں، برفوں، طغیانیوں، جنّوں، عفریتوں، وحشی حیوانوں، اور درندوں نیز موسموں کے گوناگوں انقلابوں سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیئے، اس لیے کہ گو اس کا وجود بظاہر بڑا عاجز ہے مگر اس کے اندر رُوحِ خداوندی کا جو ذرّۂ نُور ہے وہ مفتوح و مغلوب ہونے کے لیے نہیں آیا لہٰذا آدم کو اپنے اندر تغیّر اور انقلاب پیدا کرنا ہوگا، ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کی خاطر اللہ کی ودیعت کردہ صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا — جی چاہتا ہے کہ "بالِ جبریل" کی نظم "رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" ساری نقل کر دی جائے۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سُورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جُدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ!
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ!

ہیں تیرے تصرّف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں!
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں!!!
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیّل کے کنارے!

---

[1] ص ۲۷، ۲۸- ISLAM — A WAY OF LIFE

پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ !
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اِک تازہ جہاں تیرے ہُنر میں
جچتے نہیں بخشے ہُوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ!
نالندہ ترے عُود کا ہر تار ازل سے
تُو جنسِ محبّت کا خریدار ازل سے
تُو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے !
محنت کش، خوں ریز وکم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ

پہلے دو بندوں میں کائنات کے مختلف مناظر و مظاہر دکھائے گئے ہیں تاکہ آدم فطرت کے کاروبار کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔ نیز آدم کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تم ان عناصر پر قابض ہو جاؤ گے اور اس لیے قابض ہو جاؤ گے کہ اللہ نے تمہارے وجود میں وہ تمام جوہر ودیعت کر دیئے ہیں جو تمہیں حاکمیت کے قابل بناتے ہیں۔ طبعی موانع انسان کے عزم و ارادہ کی راہ نہیں روک سکتے، جان ڈیوی لکھتے ہیں :-

"Knowledge is power and knowledge is achieved by sending the mind to school of Nature to learn her process of change."[1]

(علم قوت ہے اور یہ قوت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ذہن کو مدرسۂ فطرت میں تربیت پانے کے لیے بھیج دیا جائے تاکہ اسے عمل تغیّر کا درس میسّر آجائے۔)

انسان کی بے پناہ صلاحیتوں کے اس مفہوم کو بالِ جبریل کی اشاعت سے قبل حضرت

---

[1] "Reconstruction in Philosophy" ص: ۴۹ (2nd Edition 1959)

علامہ اقبال نے اپنے "خطبات" میں بایں الفاظ بیان کیا تھا اور قرآن کی ضمانت دے کر بیان کیا تھا:

"جب اس کے گرد و پیش کی قوتیں اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں تو وہ اُن کو جیسی چاہے شکل دے سکتا ہے۔ اور جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کا راستہ روک لیں تو اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ اپنے اعماق وجود میں اس سے بھی ایک وسیع تر عالم طیار کر لے جہاں اس کو لاانتہا مسرت اور فیضانِ خاطر کے نئے نئے سرچشمے مِل جاتے ہیں۔ اس کی زندگی میں آلام ہی آلام ہیں اور اس کا وجود برگِ گل سے بھی نازک۔ بایں ہمہ حقیقت کی کوئی شکل ایسی طاقتور، ایسی ولولہ خیز، اور حسین و جمیل نہیں جیسی رُوحِ انسانی، لہٰذا باعتبار اپنی کنہ کے، جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے' انسان ایک تخلیقی فعالیت ہے، ایک صعودی رُوح جو اپنے عروج اور ارتقاء میں ایک مرتبۂ وجود سے دوسرے میں قدم رکھتا ہے۔

"فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ط (سورۃ ۸۴، آیت ۱۶ تا ۱۹)

(ترجمہ آیات، میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور ان چیزوں کی، جن کو وہ سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم کو ضرور ایک درجے یا حالت کے بعد دوسرے درجے یا حالت پر پہنچنا ہے)[۱]

شفق کے بعد رات، اور رات کا احاطہ غفلت، پھر بیداری اور نئی زندگی، چاند کا آغاز اور اس کی تکمیل —— اللہ نے ان سب چیزوں کی قسم کھا کر کہا کہ تمہارا ارتقاء اور سفرِ حیات و رفعت جاری رہے گا، یہ کائنات محض تکرار نہیں۔ یہ بڑھتی ہوئی اور ہر لحظہ ترقی پذیر کائنات ہے، یہاں رکاؤ نہیں اور بالخصوص انسان وہ شے نہیں جسے ایک ہی حالت پر رہنا ہو۔ انسان کی ترقی کی راہ میں دُنیا کی ہر شے ممد ہے اور

---

[۱] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۱۸۔

اس راہ کی سجاوٹ ہے۔ اس کی موت بھی زیادہ سے زیادہ نیند ہے جس کے بعد وہ تازہ دم ہو کر اُٹھے گا، اور مزید آگے کو بڑھے گا۔

اسی طرح قرآن حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ ایک دور کے بعد دوسرا دور آئیگا اور قرآن کے نزدیک ہر دور کی حیثیت محض ساعات کی سی ہے، لہذا حاملِ قرآن یعنی فردِ مسلمان کو ہمت اور حوصلے سے یہ منازل طے کرنا چاہئیں۔ فردِ مسلمان کے فسانے اور زمانے بے حساب ہیں۔ وہ کسی ایک منزل پر نہیں رُک سکتا، وہ رُکے تو قرآن ایک نئی دنیا لا کے سامنے رکھ دیتا ہے اور اس کی تسخیر پر اُبھارتا ہے مگر یہ کتابِ زندہ کسی صاحبِ ایمان کے دل زندہ کی طلب گار رہے ہے

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست!
عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست!
یک جہانش عصرِ حاضر را بس است
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است!
بندۂ مومن ز آیاتِ حق است
ہر جہاں اندر برِ اُو چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش!
می دہد قرآں جہانِ دیگرش!

(قرآن کی آیات میں سینکڑوں نئے جہانوں کے امکانات مضمر ہیں۔ قرآن کی ساعات و آنات میں کئی کئی زمانے پیٹے اور تہ کیے ہوئے پڑے ہیں۔ اس کی آیات میں مضمر جہانوں میں سے فقط ایک جہان پورے عصرِ حاضر کے لیے کافی ہے، اگر سینے میں دل معنی یاب موجود ہے تو تُو اس مفہوم کو پالے، بندۂ مومن بھی اللہ کی آیات میں سے ایک آیت ہے، لہذا ہر جہان اس کے وجود کے لیے اس طرح موزوں ہے جس طرح قبا۔ کہنہ قبا کی طرح جب کوئی دنیا اس کے لیے پرانی ہو جاتی ہے تو قرآن کوئی نئی دنیا اس کے سپرد کر دیتا ہے۔)

ان اشعار میں "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" کی ایک گونہ تشریح مل جاتی ہے۔ اس ضمن میں عباس محمود العقاد کا اقتباس ذیل بھی مفید مطلب رہبری کرتا ہے جو